Research Journal
Tahqeed
تحقیقی مجلہ تحقیق

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 02، دسمبر-2024

علامہ محمد اقبال کی اُردو غزل میں ردیف کی انفرادیت

Uniqueness Of Radif in Ghazaliat Of Allama Muhammad Iqbal

محمد نوید عباس شاہد، پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

ڈاکٹر سمیرا اکبر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Correspondence email: sumairaakbar@gcuf.edu.pk

eISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

Copyright: © 2024 by the authors. This is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: This article delineates the different Use of radif in Ghazaliat of Allama Muhammad Iqbal. Iqbal is considered as one of the most important Urdu poet who explained the philosophical concepts in poetry very eloquently. His poetry cannot be separated from his intellectual thought. The use of radifs in his Urdu ghazals is unique and seems to help in expressing his thought system. He used singular, interrogative, narrative, imperative and wishful meanings words as radif.

Keywords: delineates, philosophical, allama iqbal, urdu, ghazal, eloquently, intellectual, narrative, wishful

Research Journal
Tahqeed
تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر05، شمارہ نمبر02، دسمبر-2024

علامہ محمد اقبال اردو ادب کے وہ پہلے شاعر تھے جنہوں نے باقاعدہ طور پر مزاحمت اور ملت کی شاعری کا رواج تشکیل دیا۔ ان کے ہاں ابتدائی غزلوں میں روایت کے عناصر ملتے ہیں جس کا سبب ان کا داغ کی شاگردی اختیار کرنا بھی ہے لیکن یہ رشتہ زیادہ دیر استوار نہ رہ سکا۔ بعد کی شاعری میں ان کے ہاں جو تنوع ملتا ہے اس نے بعد کی تمام اردو شاعری کو متاثر کیا ہے۔ علامہ محمد اقبال کی شاعری کو ان کی فکر سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے جب بھی کوئی ناقد ان کی شاعری پر رائے دیتا ہے تو ان کی فکر اور دانشوری کے ساتھ ان کے خیالات جو کہ ان کی نثر اور خطبات میں موجود ہیں، ان کا ذکر کیے بغیر بات مکمل نہیں کر سکتا۔ پروفیسر حمید اللہ خان کے مطابق:

"شاعری سے کہیں زیادہ پیغمبری اس کی شخصیت کا جوہر تھی۔ وہ ایک ایسے چمکتے ہوئے ستارے کے مانند تھا جو ہر لحظہ نئے بروج اور افلاک کی طرف مصروفِ خرام رہتا ہو۔ وہ شاعروں کی صف میں
پیغمبر اور پیغمبروں کی صف میں شاعر معلوم ہوتا تھا"(۱)

اقبال کے ہاں غزلوں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں ہے لیکن اقبال کی غزل تغزل سے بھرپور ہے۔ انھوں نے قدیم روایت کے مطابق زیادہ غیر مردف غزلیں کہیں لیکن مردف غزلوں میں اقبال کی فکر اور فن بھرپور نظر آتا ہے۔ ان کی غزل میں ردیفیں ان کے افکار کی معاونت کرتی نظر آتی ہیں۔ ذیل میں ان کی غزلوں میں موجود ردیفو ں کے استعمال کا جائزہ لیا گیا ہے۔

ردیفِ حرف جار

میری نوائے شوق سے شور حریم ذات میں
غلغلہ ہائے الاماں بتکدۂ صفات میں (۲)

یہ شعر انسان میں موجود صفات کو بیان کرتا ہوا شعر ہے جس میں انسان میں موجود خدا کی طرف سے ودیعت تجسس کو مرکز بنایا گیا ہے۔ یہ شوق یا تجسس جب ایک حد سے سوا ہو جاتا ہے تو انسان کے درجات اور خدا کے حضور اس کا مقام بلند ہو جاتا ہے۔ صفات میں بتکدۂ صفات کا بیان انسان میں یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہونے کی طرف اشارہ ہے جس کی وجہ سے انسان شرک میں مبتلا ہونے کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔

ردیف کے اعتبار سے یہ شعر ردیفِ حرف جار کی مثال ہے۔ 'میں' ایک حرف جار ہے اور اسی حیثیت سے لازم ہے کہ یہ کسی اسم سے منسلک ہو اور یہاں حریم ذات اور صفات دو صفاتی اسما ہیں جن سے ردیف دونوں مصرعوں میں وابستہ ہو رہی ہے۔

طویل ردیف

اگر کج رو ہیں انجم، آسماں تیرا ہے یا میرا

مجھے فکرِ جہاں کیوں ہو جہاں تیرا ہے یا میرا (۳)

یہ شعر اردو کی روایت سے انحراف کرتا ہے اور ایک نئی روایت کے تشکیلی اشعار میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ مضمون میں خدا سے خطاب ہے جس میں ستاروں کی روش کو بیان کیا گیا ہے۔ گویا یہ کہنا مقصود ہے کہ اگر ستارے گردش میں ایسے ہیں کہ انسان پر مشکلات کا سبب ہیں تو ان کو درست کرنا بھی خدا کا کام ہے اور وہی اس پر قدرت رکھتا ہے۔ انسان کی بھلائی خدا کو مقصود ہے وہ کبھی اسے گردشِ حالات کا شکار نہیں کرتا۔ اگر دنیا کی حالت ناگفتہ بہ ہے تو یہ بھی خدا کی قدرت میں ہے کہ وہ اسے درست کرے۔ گویا جو خالق ہے وہی محافظ بھی ہے۔

اقبال کی فکری انفرادیت کے بارے میں رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

"اقبال کو اپنی غزل کے لیے نئے انداز کی زبان وضع کرنی پڑی۔ ایسی زبان اور ایسا لہجہ جو غزل کے لیے اجنبی نہ ہوتا، ایسی زبان کو غزل سے منوالینا بہت بڑا کارنامہ ہے۔"(۴)

ردیف کے اعتبار سے یہ طویل ردیف میں شمار ہوتا شعر ہے۔ 'تیرا ہے یا میرا' چار لفظی طویل ردیف ہے جس میں دوسری خوبیاں بھی نمایاں ہیں یعنی تیرا اور میرا دونوں ردیفِ اسمِ ضمیر میں شناخت کیے جاسکتے ہیں اور تیسری صفت اس میں استفہام کی ہے۔ گویا خدا سے سوال کیا جارہا ہے۔ چوتھی صفت اس ردیف میں خطاب کی ہے کیونکہ خدا کو مخاطب کرتے ہوئے مضمون کو قلمبند کیا گیا ہے۔

زندگی انساں کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں

دم ہوا کی موج ہے رم کے سوا کچھ بھی نہیں (۵)

یہ شعر دنیا کی بے ثباتی کا اظہار کرتا ہے۔ زیست ناپائیدار ہے، سانس کا کھیل کسی لمحے ختم ہو سکتا ہے۔ اقبال اسی حقیقت کا اعلان کرتے نظر آتے ہیں۔ مضمون کی ادائی کے لیے طویل ردیف "کے سوا کچھ بھی نہیں" کا سہارا لیا گیا ہے۔ طویل ردیف کا استعمال شاعر کی فنی مہارت کی عکاسی کرتا ہے۔ طویل ردیف شاعر کو پابند کرتی ہے کہ باقی مضمون کی ادائی مختصر لفظوں میں کی جائے۔

"کے سوا کچھ بھی نہیں" طویل ردیف ہونے کے ساتھ ساتھ منفی ردیف کی خاصیت بھی رکھتی ہے۔

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر05، شمارہ نمبر02، دسمبر-2024

منفی ردیف

عقل گو آستاں سے دور نہیں

اس کی تقدیر میں حضور نہیں(۶)

اقبال نے اپنی شاعری میں عقل و عشق کا موازنہ کیا ہے۔اس شعر میں بھی عقل کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ عقل ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا احساس پیدا کرنے کی قدرت تو رکھتی ہے لیکن عقل کا وہ معیار نہیں ہے کہ یہ خالق کائنات کے یقین کی منزل پر بھی پہنچادے۔ یہ مرحلہ عشق کے ذریعے سے طے ہوتا ہے کیونکہ عقل ظاہر پر دسترس رکھتی ہے جبکہ عشق حقائق کے راستوں کا راہنما ہے۔ عقل دلیل کا ہاتھ تھام کر محبوب کے دروازے تک تو لے جاتی ہے لیکن دیدارِ محبوب کا شرف عقل کو حاصل نہیں۔

ردیف کے اعتبار سے دیکھیں تو یہ شعر منفی ردیف میں ہے۔'نہیں' کا لفظ ایک منفی کیفیت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور حتمیت بیان کرتا ہے۔

پریشاں ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے جو مشکل اب ہے یارب پھر وہی مشکل

نہ بن جائے(۷)

اقبال کے فکری نظام میں عشق کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔وہ عشق کی مختلف جہتوں کو آشکار کرتے نظر آتے ہیں۔ یہاں بھی وہ عشق کی وجہ سے عاشق کو درپیش مشکلات و مسائل کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر میری خاک جذبہ عشق کی وجہ سے پھر دل کا روپ اختیار کر لے تو ممکن ہے کہ جو مشکلات مجھے اب درپیش ہیں پھر انھی سے دوچار ہو جاؤں۔ دل اور عشق کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

یہ شعر منفی ردیف کا حامل ہے۔"نہ بن جائے" کے الفاظ منفی ردیف کے ساتھ ساتھ امکانی ردیف میں بھی شمار کیے جاسکتے ہیں۔

ردیفِ فعل امر

گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر

ہوش و خرد شکار کر قلب و نظر شکار کر(۸)

جلوۂ ذات باری کائنات میں ہر جگہ ہے اور اس کی خوبصورتی دراصل اسی کی طرف شہادت دیتی ہے یا وحدت الوجود میں اسی کا حصہ ہے کیونکہ بجز خدا کچھ موجود نہیں۔ یہ شعر بھی اسی جلوہ کو بیان کرتا ہے کہ شاہد مسحور ہے اس حسن سے اور اس حسن میں اضافہ کی تمنا رکھتا ہے۔

ردیف کے اعتبار سے یہ شعر ردیف فعل امر میں ہے کیونکہ 'کر' حرف امر ہے اور یہاں مقصود یہ ہے کہ تمنا کو خواہش کی صورت بیان کیا جائے اور اس کے پورا ہونے کا یقین بھی ہے اور اسی نسبت سے یہ ردیف اور مضمون دونوں فعل امر کی مثالیں ہیں لیکن خدا کو امر کے صیغہ میں مخاطب نہیں کیا جا سکتا لہٰذا معنوی اعتبار سے اس میں گزارش کا دخل ہے لیکن لفظی اعتبار سے یہ ردیف فعل امر کی مثال ہے۔

مفرد ردیف

کیا عشق ایک زندگیٔ مستعار کا کیا عشق پائدار سے ناپائدار کا (۹)

یہ شعر بھی خدا اور انسان کے درمیان فرق کو واضح کرتا ہے جہاں خدا اور انسان ایک اٹوٹ رشتہ میں منسلک ہیں وہیں انسان کو اپنی محدودیت کے مطابق دیکھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا لازم ہے۔ انسان میں خدا کی صفات موجود ہیں تو ان کا بھی ایک مقصد ہے جو خدا نے ہی مقرر کیا ہے۔ اگر اسے دنیا کا عشق ہی لاحق رہے گا تو وہ خسارے میں ہے۔ ایسا ممکن ہی نہیں جب تک اس فانی حصہ کو پس پردہ نہ کر دیا جائے۔ خدا کی ہستی پائدار اور یہ دنیا ناپائدار ہے۔ اس لیے دنیادار کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ اس ذات کے بارے کچھ یقین کا علم حاصل کر سکے۔

ردیف کے اعتبار سے یہ شعر مفرد ردیف کا شعر ہے جس کے لفظ 'کا' میں اس کے سوا کوئی خوبی نہیں کہ وہ مذکور اسم کے ساتھ ملکیت کے سوا کوئی اور تعلق یا معنی رکھ سکے۔ گویا مضمون ردیف کا پابند نہیں ہے اور ردیف معنوی طور پر اس کے سوا شعر پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

بیانیہ ردیف

دگرگوں ہے جہاں تاروں کی گردش تیز ہے ساقی

دل ہر ذرہ میں غوغائے رستہ خیز ہے ساقی (۱۰)

یہ شعر کائنات اور اس سے انسان کے ربط کے لیے مابعد الطبیعات کے مضمون میں لکھا گیا ہے جس میں ستاروں کا زندگی پر دخل ہوتا ہے لیکن یہاں فقط شعری طور پر اس کو مثال کے لیے برتا گیا ہے۔ گویا یہ کہنا مقصود ہے کہ دنیا اور انسان کے حالات ابتر ہیں اور دل کی

خواہش کا زور بھی اسی نسبت سے شدید ہے۔ گویا اس میں ان حالات سے نکلنے کی شدید خواہش ہے۔ مقصود یہ بیان ہے کہ مسلم امہ اپنے خراب حالات میں زیادہ دیر نہیں رہے گی گو کہ حالات اس کے لیے انتہائی ناساز گار ہیں لیکن دل اس غلامی اور ابتر حالت کو قبول نہیں کرے گا۔

ردیف کے اعتبار سے یہ شعر بیانیہ ردیف کی مثال ہے جس میں خطابیہ ہونے کی خوبی بھی پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ شعر میں لفظ کے مقام کے اعتبار سے اسم یا اسمِ ضمیر جب مصرع کے آخر میں آئیں تو خطابیہ ہونے کی خوبی از خود پیدا ہو جاتی ہے تو اس شعر میں بھی ایسا ہی ہے۔

خطابیہ ردیف

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی (۱۱)

یہ شعر استعارہ کو بیان کا حصہ بناتے ہوئے لکھا گیا ہے۔ یہاں ساقی خدا کے لیے برتا گیا ہے اور مقام اپنی عظمت کے درجہ کو بیان کرتا ہے۔ میرا مقام سے مراد ماضی میں مسلمانوں کی عظمت کا دور ہے۔ وہی بادہ و جام سے مراد وہی علم اور فکر کی دولت ہے جس کے بل بوتے پر اسلام نے کئی صدیوں تک دنیا پر راج کیا ہے لیکن اب یہ سب کچھ اسے میسر نہیں۔ ساقی سے یہ بات دعا کے انداز کے بجائے بیانیہ انداز میں کی جا رہی ہے۔

اقبال کی اس غزل میں تغزل کی خوبی موجود ہے۔ نور الحسن نقوی اقبال کی اسی خوبی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"شعر کے لیے نغمگی بہت ضروری ہے اور اقبال کے کلام میں ترنم بہت زیادہ ہے۔ موسیقی سے ان کو بہت مناسبت ہے۔" (۱۲)

ردیف کے اعتبار سے یہاں ردیف کا لفظ 'اے' حرفِ ندا بھی ہے اور خطاب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کے بعد ساقی کا لفظ آیا ہے یعنی حتمی طور پر یہاں خدا سے مخاطب ہوا جا رہا ہے اور اسی نسبت سے اس ردیف کو خطابیہ ردیف میں شمار کیا جائے گا۔

ردیف اسم ضمیر

اپنی جولاں گاہ زیر آسماں سمجھا تھا میں

آب و گل کے کھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا میں (۱۳)

Research Journal Tahqeed
تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر05، شمارہ نمبر02، دسمبر-2024

یہ شعر دنیا کے عارضی اور فریب ہونے کو بیان کرتا ہے۔ لازم ہے کہ بیان میں مجازی کیفیت غالب ہے۔ زیرِ آسماں سے مراد زمین ہے جس کی نسبت سے پہلا مصرع یہ بیان کرتا ہے کہ یہ زمین انسان کے لیے ہمیشہ کا مقام اور اس کا مسکن نہیں ہے اور جو ایسا سمجھتے ہیں وہ فریب میں مبتلا ہیں۔ ایسا ہی دوسرے مصرع میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہاں زمین کے مسائل اور اس کے معاملات انسان کا اصل مقصد نہیں ہیں اور ایسا ہی سمجھنے کی غلطی شاعر سے بھی ہوئی۔

ردیف کے اعتبار سے یہ شعر ردیفِ اسمِ ضمیر کی مثال ہے کیونکہ 'میں' شخصی ذاتی اسم ضمیر ہے۔ دوسری صفت اس ردیف کے عمومی طویل ہونے کی ہے اور اسے طویل ردیف میں بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔

استفہامیہ ردیف

عالم آب وخاک وباد! سر عیاں ہے تو کہ میں

وہ جو نظر سے ہے نہاں اس کا جہاں ہے تو کہ میں (۱۴)

یہ شعر خدا سے ایک سوال کے مضمون پر استوار ہے۔ مضمون وہی انسان اور خدا اور دونوں کے کائنات سے اور اس کے اسرار سے متعلق ہونے کے بارے میں ہے۔ عالم آب وخاک وباد سے مراد اس دنیا اور زمین کے تشکیلی عناصر ہیں اور حیات کا دارومدار انہی تین اشیا پر ہے۔ گویا یہ سب کچھ خدا کے اسرار ہیں اور انہیں میں اس کی قدرت کے آثار پوشیدہ ہیں جن کو جان کر انسان خدا کی ذات کے رازوں کو سمجھ سکتا ہے۔ گویا یہ کہا جارہا ہے کہ ان سب میں نہاں لیکن عیاں خدا کی ذات ہے اور یہی انسان کے تشکیلی عناصر ہونے کی وجہ سے انسان اسی جہان کا خود حصہ ہے۔ گویا یہ سب جہان اور انسان خدا کے جہاں میں موجود ہیں اور سب کچھ اسی کا ہے۔

ردیف کے اعتبار سے یہ شعر استفہامیہ ردیف میں ہے کیونکہ سوال کیا جارہا ہے۔ 'ہے تو کہ میں' ایک طویل ردیف بھی ہے جو کہ چار لفظوں پر مشتمل ہے جو اس ردیف کی دوسری خوبی کہی جائے گی۔ تیسرے خوبی اس کا خطابیہ ہونا ہے کیونکہ اسم ضمیر مصرع کے آخر میں ہے۔ چوتھی خوبی اس کا ردیف اسم ضمیر میں ہونا ہے تو اور میں دو اسمائے ضمیر ایک ہی ردیف میں برتے گئے ہیں لیکن سب استفہام کا حصہ ہیں۔

نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی

مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی (۱۵)

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 02، دسمبر-2024

بانگِ درا کی ابتدائی غزلوں میں اقبال روایتی رومانوی شاعری کرتے نظر آتے ہیں۔ جبکہ بالِ جبریل کی غزلیں اقبال کے مخصوص فکری نظام کے گرد گھومتی ہیں۔ یہ غزل بانگِ درا کی ہے اور اس میں واضح طور پر اقبال کے استاد داغ دہلوی کی چھاپ نظر آتی ہے۔ عاشق ہمیشہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر محبوب کے تمام ظلم و ستم اور بے نیازیاں برداشت کرتا ہے۔ محبوب کے ملاقات سے انکار کے جواب میں وہ بحث و تکرار کی ہمت بھی نہیں رکھتا مگر اسے اپنے دل کے اطمینان کے لیے محبوب کے منہ سے ملاقات کا جھوٹا وعدہ بھی قبول ہے۔

"کیا تھی" لفظی اعتبار سے استفہامیہ ردیف میں شامل ہے جبکہ مضمون کے ساتھ منسلک کرتے ہوئے اس میں تمنائی ردیف ہونے کا تاثر بھی نظر آتا ہے۔

ردیف زمانی

نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی (۱۶)

یہ شعر انسان میں موجود خواہش کو مشروط بیان کرتا ہے۔ انسان جو کچھ جاننے یا اس کا ادراک کرنے کی خواہش رکھتا ہے اور اس کا تجسس جو اس شعر کے بیان کا مرکز ہے، اس کو ایسے رستوں کی طرف راغب کرتا ہے جو اس نے اس سے پہلے نہ دیکھے ہوں۔ انسان کا یہی تجسس اس کے علم میں مسلسل اضافہ کا سبب بھی ہے۔ گویا یہ کہنا مقصود ہے کہ ابھی اس میں مکمل طور پر مرتکز ہونے کی کیفیت پیدا نہیں ہوئی جس کو ہم وقف ہونا بھی کہہ سکتے ہیں۔ نالہ سے یہاں مراد تجسس اور خواہش ہے۔ گویا مکمل طور پر مرتکز خواہش ہی کامیابی کا زینہ ہوتی ہے اور انسان کمزور زینوں پر قدم رکھ کر بلند نہیں ہو سکتا۔

ردیف کے اعتبار سے یہ زمانی ردیف کی مثال کہی جاسکتی ہے کیونکہ 'ابھی' سے مراد 'اس وقت تک' ہے اور یہ زمانی کیفیت کو بیان کرتا ہوا لفظ ہے۔

تمنائی ردیف

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں (۱۷)

Research Journal
Tahqeed
تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 02، دسمبر-2024

یہ غزل بانگِ درا میں شامل ہے۔ اقبال کے ابتدائی دور کی شاعری میں داغ کا اثر نظر آتا ہے۔ ہر عاشق جذبہ عشق سے مغلوب ہو کر عشق کی انتہا کی خواہش رکھتا ہے اور یہی خواہش اقبال کے دل میں بھی موجود ہے کہ محبوب کے عشق کی انتہا دیکھے لیکن فوراً ہی اس حقیقت کا ادراک بھی ہو جاتا ہے کہ عشق کی کوئی انتہا نہیں ہوتی اور دوسرے مصرعے میں اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اس خواہش کو اپنی سادگی قرار دیتے ہیں۔ ردیف کے حوالہ سے "چاہتا ہوں" کے الفاظ تمنائی ردیف میں شامل ہیں۔

اگر اقبال کی غزلیات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ہمیں ان کے دو رنگ نظر آتے ہیں۔ پہلا رنگ داغ کے زیرِ اثر ہے جبکہ دوسرا ان کے مخصوص فکری نظام کا اظہار کرتا ہے۔ سید عابد علی عابد لکھتے ہیں:

"اقبال نے یورپ جانے سے پہلے نہ صرف داغ سے اردو کی شعری روایت کے سارے رموز سیکھ لیے بلکہ وہ اس بات سے بھی آگاہ ہو گئے کہ لفظ و معنی میں کتنا نازک رشتہ استوار ہے۔ مطابقتِ الفاظ و معانی کتنی بنیادی بات ہے۔ داغ تو صرف ادنیٰ واردات کو بعینہٖ پڑھنے والوں تک منتقل کرتے تھے۔ اقبال نے اپنے مطالعے کی وسعت کی بدولت اور اپنی بصیرت کی بنا پر نہایت دقیق افکار اور لطیف تصورات کو جذبے میں سمو کر ایسی ہیئت بخشی جس کا آہنگ اور نغمہ بھی عین معانی کے مطابق تھا۔"(۱۸)

اقبال کے ہاں ردیفوں کی تشکیل ان کے فکری نظام سے آہنگ ہو کر طے پاتی ہے۔ مفرد ردیفیں ہوں یا طویل، ان کی فنی اور فکری بصیرت کی عکاسی کرتی نظر آتی ہیں۔ ان کے ہاں ردیفوں کی کثرت نہیں لیکن معنوی اعتبار سے وسعت کا اظہار موجود ہے۔ اقبال کی غزل بلاشبہ ان گنت خوبیوں سے مزین ہے اور ایک خوبی ردیفوں کے استعمال کی انفرادیت ہے۔

حوالہ جات

۱۔ حمید اللہ خان، پروفیسر، اقبال کا شاعرانہ ارتقا، مشمولہ: علامہ اقبال (حیات، فکر و فن) مرتبہ: ڈاکٹر سلیم اختر، لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۳ء ص:۲۷۸

۲۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، بالِ جبریل، علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۷۵ء ص:۵

۳۔ ایضاً، ص:۶

۴۔ صدیقی، رشید احمد، جدید اردو غزل، لاہور، یونیورسل بکس، ۱۹۸۷ء ص:۶۶

۵۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، بانگِ درا، لاہور، شیخ غلام علی سنز، ۱۹۷۷ء، ص:۱۳۵

۶۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، بالِ جبریل، علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۷۵ء ص:۴۳

۷- ایضاً، ص:۱۰

۸۔ ایضاً، ص:۷

۹۔ ایضاً، ص:۹

۱۰۔ ایضاً، ص:۱۱

۱۱۔ ایضاً، ص:۱۲

۱۲- نورالحسن نقوی، پروفیسر، تاریخ ادبِ اردو (حصہ نظم)، علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۷ء ص:۱۶۴

۱۳۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، بالِ جبریل، علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۷۵ء ص:۱۸

۱۴۔ ایضاً، ص:۲۸

۱۵- محمد اقبال، ڈاکٹر، بانگِ درا، طبع چہارم، دہلی، کتب خانہ حمیدیہ، ۱۹۹۰ء ص:۷۱

۱۶۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، بانگِ درا، طبع نہم، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، ۱۹۴۵ء، ص:۳۱۸

۱۷- محمد اقبال، ڈاکٹر، بانگِ درا، طبع چہارم، دہلی، کتب خانہ حمیدیہ، ۱۹۹۰ء ص:۷۷

۱۸- عابد، سید عابد علی، شعر اقبال، لاہور، بزمِ اقبال، ۱۹۹۳ء ص:۸۳